ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2625

Program: M.A. Islamic Studies

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیۂ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبۂ فکر اسلامی، تاریخ وثقافت)

کورس: اسلام کا اقتصادی نظام (2625)

مرتبہ: ٹیم برائے علوم اسلامیہ

سمسٹر: خزاں 2026ء (Autumn 2026)

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ نمبر 5–9)

کل نمبر: 100 — کامیابی کے نمبر: 40

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعے اور رہنمائی کے لیے ہے۔ طلبہ جوابات کو اپنے الفاظ میں، اپنی سمجھ کے مطابق تحریر کریں؛ ہو بہو نقل کرنا مناسب نہیں اور یونیورسٹی کی ہدایات کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔

سوال نمبر 1: اسلامی ریاست کی مالیاتی پالیسی کے بنیادی خدوخال بیان کیجیے۔(20)

تعارف

مالیاتی پالیسی سے مراد ریاست کے وہ اصول اور اقدامات ہیں جن کے ذریعے وہ آمدن حاصل کرتی ہے، اسے خرچ کرتی ہے اور معیشت کو مطلوبہ سمت میں رکھتی ہے۔ اسلامی ریاست کی مالیاتی پالیسی جدید ریاستوں سے اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس کے اہداف محض محصولات کا حصول اور بجٹ توازن نہیں بلکہ عدل کا قیام، غربت کا خاتمہ، دولت کی منصفانہ گردش اور شریعت کے مقاصد کا تحفظ بھی ہیں۔ اس پالیسی کا مرکز بیت المال ہے جس کا دائرہ ٹیکس نظام، عوامی اخراجات، قرض کی حدود، خسارے کی تلافی اور مہنگائی پر قابو تک پھیلا ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دیوان اور وظائف کا منظم نظام اس پالیسی کی تاریخی مثال ہے جس نے اسلامی اصولوں کو انتظامی صورت دی۔

آج مسلم ریاستوں کے سامنے سوال یہ ہے کہ وہ شریعت کے اصولوں کو جدید بجٹ سازی، مرکزی بینک اور عالمی مالیاتی نظام کے ساتھ کس طرح ہم آہنگ کریں۔ اس جواب میں اسلامی مالیاتی پالیسی کے بنیادی خدوخال بیان کیے جائیں گے جن میں حلال آمدن کا اصول، ضرورت و انصاف پر مبنی محصولات، فلاحی اخراجات کی ترجیح، سودی قرض سے اجتناب، بجٹ میں توازن و شفافیت، اور نجی شعبے کی حوصلہ افزائی شامل ہیں۔ یہ بحث خالص علمی ہے؛ مخصوص قوانین کی شرعی حیثیت کا حتمی فیصلہ آئینی و شرعی اداروں کا کام ہے، یہاں صرف کورس کے عمومی اصول واضح کیے جا رہے ہیں۔

پہلا خدوخال: آمدن کے حلال اور واضح ذرائع

اسلامی مالیاتی پالیسی کا پہلا اصول یہ ہے کہ ریاست کی آمدن بھی حلال و طیب ذرائع سے ہو۔ ریاست ایسی سرگرمیوں کو محصولات کا ذریعہ نہیں بناتی جو شریعت میں حرام ہیں، نہ ہی وہ عوام پر ایسا بار ڈالتی ہے جس کی شرعی بنیاد نہ ہو۔ تاریخی طور پر اس آمدن میں زکاۃ، عشر، خراج، جزیہ، فیء اور مالِ غنیمت کا خمس شامل رہے اور بعد کے ادوار میں فقہا نے عوامی مفاد کے تحت مقررہ اصولوں کے اندر دیگر محصولات کی بحث بھی کی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ہر محصول کی بنیاد، شرح اور مصرف واضح ہو تاکہ شہری کو معلوم ہو کہ اس سے لیا گیا مال کس حق کے تحت اور کہاں خرچ ہو رہا ہے۔ وضاحت اور قانونی حیثیت کے بغیر وصولی ظلم کے زمرے میں آتی ہے اور ریاست پر اعتماد ختم کر دیتی ہے۔

دوسرا متعلقہ اصول یہ ہے کہ ریاست محصولات جمع کرنے میں نرمی اور عدل سے کام لے۔ وصولی کے وقت زبردستی، تذلیل اور استطاعت سے بڑھ کر بوجھ اسلامی روح کے خلاف ہے۔ محصول کی شرح طے کرتے وقت ٹیکس دہندہ کی اصل استطاعت، کاروبار کی نوعیت اور معیشت کی حالت کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زکاۃ میں نصاب اور حول کی شرائط رکھی گئیں تاکہ بنیادی ضرورت سے کم مال والے پر بار نہ پڑے۔ اس اصول کا جدید اطلاق یہ ہے کہ بالواسطہ ٹیکسوں کا بوجھ غریب پر زیادہ ڈالنے کے بجائے متوازن ڈھانچہ بنایا جائے اور چھوٹے کاروبار کو سانس لینے کی مہلت دی جائے۔ مالیاتی پالیسی کی عادلانہ صورت ہی شہریوں میں ٹیکس ادائیگی کا دینی و اخلاقی جذبہ پیدا کرتی ہے۔

دوسرا خدوخال: اخراجات میں ترجیحات اور کفایت

اسلامی مالیاتی پالیسی میں اخراجات کی ترجیحات واضح ہیں۔ سب سے پہلے بنیادی عوامی ضروریات یعنی عدل و امن کا قیام، تعلیم، صحت، پانی، خوراک کی فراہمی اور بے سہارا افراد کی کفالت آتی ہیں۔ اس کے بعد ترقیاتی اخراجات جیسے سڑکیں، آبپاشی اور صنعت کی سہولتیں آتی ہیں۔ فضول خرچی، شاہانہ عیاشات اور نمائشی منصوبے اسراف کے زمرے میں آتے ہیں جس کی قرآن نے مذمت کی ہے۔ ریاست کو امانت دار خزانچی کی طرح برتاؤ کرنا چاہیے کیونکہ بیت المال کا مال پوری امت کی امانت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے عہد میں سرکاری مال کے بارے میں احتیاط کا مشہور طرز عمل اسی اصول کی عملی تصویر ہے۔

اخراجات میں کفایت کا مطلب کنجوسی نہیں بلکہ ترجیح اور مناسبت ہے۔ مشکل حالات جیسے قحط، جنگ یا وبا میں فلاحی اخراجات بڑھانا ضروری ہو جاتا ہے جبکہ خوشحالی میں بچت اور ذخیرہ قائم رکھنا دانشمندی ہے۔ جدید اصطلاح میں اسے مخالف چکری مالیاتی پالیسی کہا جا سکتا ہے بشرطیکہ طریقہ کار سود سے پاک ہو۔ اسلامی پالیسی میں اخراجات کا ایک اور اصول یہ ہے کہ خرچ ایسا ہو جو پیداوار اور روزگار بڑھائے نہ کہ صرف کھپت۔ بیروزگار کو وظیفے کے ساتھ ہنر اور کام ملنا اصل ہدف ہے۔ اس طرح مالیاتی پالیسی سماجی پالیسی اور معاشی پالیسی دونوں کا کردار ادا کرتی ہے اور بجٹ محض آمدن خرچ کی فہرست نہیں رہتا بلکہ اصلاح کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

تیسرا خدوخال: سود سے پاک قرض اور بجٹ خسارے کی حدود

اسلامی مالیاتی پالیسی کا نمایاں خدوخال سودی قرض سے اجتناب ہے۔ جدید ریاستیں خسارہ پورا کرنے کے لیے سودی قرضوں پر انحصار کرتی ہیں جس سے سود کی ادائیگی بجٹ کا سب سے بڑا خرچ بن جاتی ہے اور آنے والی نسلیں مقروض ہوتی ہیں۔ اسلامی پالیسی خسارے کو آخری صورت سمجھتی ہے اور اس کی تلافی کے لیے اخراجات میں کفایت، محصولات کی وصولی میں بہتری، عوامی شراکت داری اور غیر سودی آلات جیسے صکوک کی صورتیں تلاش کرتی ہے جن کی تفصیل فقہی و مالیاتی ماہرین طے کرتے ہیں۔ قرض لینا ہی پڑے تو قرضِ حسنہ یا کم لاگت جائز ذرائع کو ترجیح اور اس کی حد مقرر ہونا اس پالیسی کا حصہ ہے

اسی سے جڑا ہوا اصول بجٹ میں مجموعی توازن اور شفافیت ہے۔ ریاست کو اپنی آمدن سے بڑھ کر مستقل اخراجات نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ اس کا بوجھ بالآخر مہنگائی یا ٹیکسوں کی صورت میں عوام پر پڑتا ہے۔ کرنسی کی بے تحاشا چھپائی بھی ایک طرح کا پوشیدہ ٹیکس ہے جو غریب کی بچت کو کھا جاتی ہے اس لیے اسلامی عدل اس کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ شفافیت کے لیے بجٹ کی عوامی پیش کش، حساب کتاب کی جانچ اور احتساب کا نظام ضروری ہے۔ بیت المال کے قیام سے آج کے آڈیٹر جنرل تک اسی ایک اصول کی مختلف صورتیں نظر آتی ہیں کہ عوامی مال کا حساب عوام کے سامنے ہو۔ یہ خدوخال مالیاتی بدعنوانی کے خلاف سب سے مضبوط ڈھال ہے۔

چوتھا خدوخال: دولت کی گردش، نجی شعبہ اور استحکام

اسلامی مالیاتی پالیسی دولت کی گردش کو ہدف بناتی ہے۔ زکاۃ اور فلاحی اخراجات کے ذریعے سرمایہ نچلے طبقات کی طلب میں بدلتا ہے، چھوٹے کاروبار چلتے ہیں اور روزگار بڑھتا ہے۔ اس کے ساتھ پالیسی نجی شعبے کو دباتی نہیں بلکہ اسے جائز حدود میں سہولت دیتی ہے کیونکہ تجارت و صنعت کی اصل سرگرمی عوام ہی انجام دیتے ہیں۔ ریاست کا کام راستہ ہموار کرنا، ظلم روکنا اور بنیادی ڈھانچہ فراہم کرنا ہے۔ ناجائز اجارہ داری، مصنوعی قیمتیں اور ذخیرہ اندوزی روکنا اسی پالیسی کا حصہ ہے تاکہ چھوٹا تاجر بھی زندہ رہ سکے۔ یوں بازار اور ریاست حریف نہیں بلکہ تکمیلی کردار ادا کرتے ہیں۔

جدول: اسلامی مالیاتی پالیسی کے خدوخال

خلاصہ	خدوخال
محصولات کی واضح شرعی و قانونی بنیاد	حلال آمدن
استطاعت کا لحاظ، ظلم کی ممانعت	عادلانہ وصولی
تعلیم، صحت، کفالت کو اخراجات میں اولیت	فلاحی ترجیح
قرض کی حد، غیر سودی تلافی کی تلاش	سود سے اجتناب
بجٹ، آڈٹ اور عوامی جواب دہی	شفافیت و احتساب

استحکام بھی اس پالیسی کا مقصد ہے۔ قیمتیں قابو سے باہر ہوں تو غریب کی روٹی متاثر ہوتی ہے، کرنسی گرے تو درآمدات مہنگی ہوتی ہیں اور بیروزگاری بڑھے تو جرائم بڑھتے ہیں۔ اسلامی ریاست محتسب کے ادارے، منڈی کی نگرانی اور ضروری اشیا کے ذخائر کے ذریعے استحکام کی کوشش کرتی ہے۔ تاہم قیمتوں کا تعین ہمیشہ جبر سے نہیں ہوتا؛ فقہا کی غالب رائے میں معمول کے حالات میں بازار کو چھوڑنا اور غیر معمولی ظلم یا بحران میں مداخلت کرنا ہی متوازن راہ ہے۔ اس توازن سے پالیسی میں لچک رہتی ہے اور تاجر کا جائز منافع بھی محفوظ رہتا ہے۔ یہی لچک اس نظام کو جامد نظریے کے بجائے عملی حکمرانی کا نمونہ بناتی ہے۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی ریاست کی مالیاتی پالیسی حلال آمدن، عادلانہ محصولات، فلاح کو ترجیح دینے والے اخراجات، سود سے اجتناب، بجٹ توازن، شفافیت اور دولت کی گردش جیسے اصولوں پر قائم ہے۔ یہ پالیسی ریاست کو ظالم محصول خور کے بجائے عوام کا امین و خادم بناتی ہے۔ اس کے نفاذ سے غربت کم ہوتی ہے، اعتماد بڑھتا ہے، قرض کا بوجھ قابو میں رہتا ہے اور معیشت اخلاقی بنیادوں پر مستحکم ہوتی ہے۔ جدید مسلم ریاستوں کے لیے چیلنج اصولوں کی کمی نہیں بلکہ انہیں جدید اداروں، ٹیکنالوجی اور آڈٹ نظام کے ذریعے نافذ کرنے کی صلاحیت ہے۔ اگر یہ خدوخال بجٹ سازی کا حصہ بن جائیں تو مالیاتی پالیسی واقعی اسلامی فلاحی مقاصد کی خادم بن سکتی ہے۔

سوال نمبر2: بیت المال کے ذرائع آمدن اور مصارف کی وضاحت کیجیے۔(20)

تعارف

بیت المال اسلامی ریاست کا مرکزی خزانہ اور ادارہ ہے جس میں عوامی آمدنی جمع ہوتی ہے اور جہاں سے عوامی مصارف پورے کیے جاتے ہیں۔ لفظی معنی مال کے گھر کے ہیں لیکن اصطلاحاً یہ محض خزانے کی عمارت نہیں بلکہ پوری مالی انتظامیہ کا نام ہے، جس میں وصولی، حفاظت، حساب کتاب اور تقسیم کا نظام شامل ہے۔ اس ادارے کی بنیاد عہد نبوی میں رکھی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسے دیوان اور رجسٹروں کے ساتھ باقاعدہ منظم شکل ملی۔ بیت المال کا سب سے اہم اصول یہ ہے کہ اس کا مال حکمران کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ مسلمانوں اور ریاست کے شہریوں کی امانت ہے، لہٰذا اس میں ذاتی تصرف یا فضول خرچی کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس سوال میں بیت المال کے ذرائع آمدن اور مصارف کی وضاحت مطلوب ہے۔ آمدن کے ذرائع کو شریعت نے ان کی نوعیت کے اعتبار سے الگ الگ خانوں میں رکھا ہے کیونکہ ہر مد کا مصرف بھی اسی کے مطابق مقرر ہے۔ مثلاً زکاۃ کا مال صرف اس کے مقررہ مصارف میں لگ سکتا ہے جبکہ دیگر آمدن عمومی عوامی مفاد میں استعمال ہو سکتی ہے۔ اس تقسیم کو سمجھے بغیر بیت المال کا نظام سمجھ نہیں آتا۔ ذیل میں پہلے آمدن کے بڑے ذرائع، پھر مصارف، اور پھر اس نظام کے انتظامی اصول اور جدید اہمیت بیان کی جائے گی۔

ذرائع آمدن: زکاۃ، عشر اور صدقات

بیت المال کا پہلا بڑا ذریعہ زکاۃ ہے۔ یہ صاحب نصاب مسلمانوں کے مال، مویشی، زرعی پیداوار اور تجارتی سامان پر مقررہ شرح سے وصول ہوتی ہے۔ ریاست زکاۃ کی وصولی اور مستحقین تک تقسیم کی ذمہ دار ہے اور عاملین یعنی اس کام پر مقرر اہلکار بھی اسی مد سے معاوضہ پا سکتے ہیں۔ عشر زرعی پیداوار پر لگنے والا حصہ ہے جو بارانی اور نہری زمین کی پیداوار پر الگ الگ شرح سے بیان کیا جاتا ہے۔ زکاۃ و عشر کی روح یہ ہے کہ یہ آمدن عام خزانے میں گم نہیں ہوتی بلکہ اس کا مصرف قرآن میں صراحتاً محدود کر دیا گیا ہے، اس لیے فقہا نے اس کا حساب الگ رکھنے کی تاکید کی ہے۔ یہ شفافیت دینی اعتماد کی بنیاد ہے۔

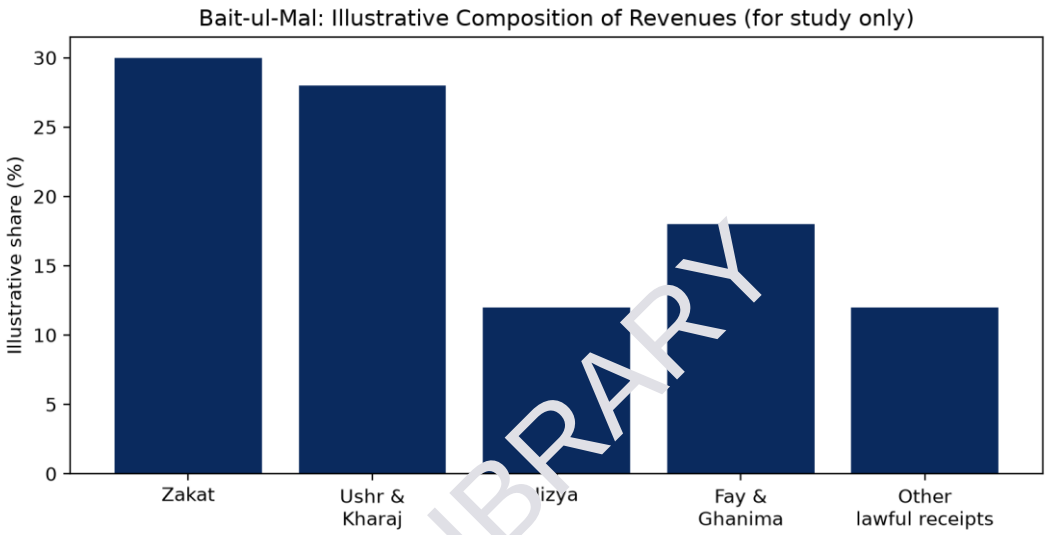

شکل: بیت المال کی آمدن کی تمثیلی ترکیب (صرف مطالعے کے لیے؛ اصل شرحیں فقہی احکام کے مطابق ہیں)

صدقہ فطر، کفارات، نذور اور نفلی صدقات بھی بیت المال یا اس سے منسلک فلاحی انتظام کے ذریعے مستحقین تک پہنچائے جاتے ہیں۔ ان مدات کا فائدہ یہ ہے کہ موسمی اور ہنگامی ضرورتوں جیسے رمضان، عید، قحط یا آفت کے وقت فوری مدد ممکن ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اوقاف کی آمدن اگرچہ الگ انتظام میں رہتی ہے لیکن وہ بھی تعلیم، صحت اور فلاح کے انہی مصارف کو پورا کر کے بیت المال کا بوجھ ہلکا کرتی ہے۔ یوں آمدن کا پہلا خانہ عبادت اور فرائض سے جڑا ہے جس کی ادائیگی میں مسلمان خوشی محسوس کرتا ہے، اسی لیے اس کی وصولی میں زور کی ضرورت کم پڑتی ہے اور نظام اخلاقی قوت سے چلتا ہے۔

ذرائع آمدن: خراج، جزیہ، فیٔ اور دیگر مدات

خراج وہ محصول ہے جو مفتوحہ یا معاہدے کے تحت ریاست میں شامل زرعی زمینوں پر ان کی پیداواری حیثیت کے مطابق مقرر کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سواد عراق کی زمینیں سپاہیوں میں تقسیم کرنے کے بجائے ان کے اصل کاشتکاروں کے پاس رہنے دیں اور ان پر خراج مقرر کر کے اس آمدن کو آئندہ نسلوں سمیت پوری امت کے مفاد میں محفوظ کر دیا۔ یہ اقدام مالیاتی دور اندیشی کی بہترین مثال ہے۔ جزیہ غیر مسلم شہریوں سے ان کے تحفظ اور فوجی خدمت سے استثنا کے بدلے لیا جانے والا محصول تھا جس

کی شرح استطاعت کے مطابق اور بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور ناداروں سے مستثنار کھ کر مقرر کی جاتی تھی۔ جدید ریاستوں میں تمام شہری عمومی ٹیکس دیتے ہیں، لہٰذا ان تاریخی مدات کو ان کے تاریخی تناظر میں سمجھنا چاہیے۔

فیٔ سے مراد وہ مال ہے جو بغیر جنگ کے ریاست کو حاصل ہو اور مال غنیمت وہ ہے جو جنگ کے بعد حاصل ہو جس کا خمس یعنی پانچواں حصہ قرآن کے حکم سے مقررہ مصارف کے لیے الگ کیا جاتا ہے۔ معدنیات اور دفینے یعنی رکاز پر بھی خمس کا اصول فقہا نے بیان کیا ہے کیونکہ یہ قومی دولت ہے جس میں معاشرے کا حق شامل ہے۔ ان کے علاوہ لاوارث ترکہ، سرکاری زمینوں اور املاک کی آمدن، اور فقہا کے اصولوں کے تحت والیٔ ملک کے لیے عائد جائز محصولات بھی بیت المال کے ذرائع میں شمار ہوتے ہیں۔ ان تمام ذرائع کا جائزہ یہ دکھاتا ہے کہ بیت المال صرف زکاۃ پر منحصر نہیں تھا بلکہ ایک مکمل عوامی مالیات کا نظام تھا۔

مصارف: فلاح، انتظام اور دفاع

بیت المال کے مصارف کو تین بڑے حصوں میں سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلا مصرف سماجی فلاح ہے۔ زکاۃ کے آٹھ مصارف میں فقرا، مساکین، مقروض، مسافر اور دیگر مستحق طبقات شامل ہیں۔ یتیموں، بیواؤں، معذوروں اور بوڑھوں کے وظائف، علاج اور تعلیم کی مد اور آفات میں فوری امداد اسی میں آتی ہے۔ دوسرا مصرف ریاستی انتظام ہے جس میں عدلیہ، انتظامیہ، محتسب اور بیت المال کے اہلکاروں کی تنخواہیں، عوامی سہولتوں جیسے سڑکوں، پلوں، کنوؤں اور سرائے کی تعمیر و مرمت شامل ہے۔ تیسرا مصرف دفاع اور سرحدوں کا تحفظ ہے کیونکہ امن کے بغیر نہ عبادت سکون سے ہوتی ہے اور نہ تجارت۔ ان تینوں مصارف کا محور عوامی مفاد ہے نہ کہ حکمران کی ذات۔

جدول: بیت المال، آمدن اور مصارف

اہم مصارف	ذرائع	مد
قرآن میں مقررہ آٹھ مصارف	مال، مویشی، پیداوار پر مقررہ حصہ	زکاۃ و عشر
عمومی عوامی مفاد، وظائف	زمین و تحفظ سے متعلق تاریخی محصولات	خراج و جزیہ

مقررہ فلاحی و دینی مصارف	بغیر جنگ حاصل مال، غنیمت کا خمس	فیٔ و خمس
انتظام، ترقی، دفاع	رکاز، لاوارث ترکہ، سرکاری املاک	دیگر آمدن

مصارف میں ایک نازک اصول تناسب اور ترجیح کا ہے۔ اگر خزانہ محدود ہو تو سب سے پہلے ان لوگوں کی ضرورت پوری ہو گی جو خود کفالت سے محروم ہیں، پھر وہ عوامی خدمات جن کے بغیر زندگی رک جائے، اور پھر ترقیاتی کام۔ حکمران کی ذات اور خاندان کے لیے بیت المال سے وہی تنخواہ یا وظیفہ جائز ہے جو نظام کے تحت مقرر ہو۔ خلفائے راشدین کی سیرت میں اس احتیاط کی مثالیں ملتی ہیں کہ انہوں نے اپنے لیے کم سے کم رکھا اور عوام کی ضرورت کو مقدم کیا۔ یہی طرزِ عمل بیت المال کو ذاتی خزانے سے الگ ایک عوامی ادارہ بناتا ہے۔ حساب کتاب کی درستگی کے لیے رجسٹر، گواہ اور جانچ کا نظام بھی اسی لیے رکھا گیا کہ امانت میں خیانت کا دروازہ بند رہے۔

جدید دور میں بیت المال کی اہمیت

آج بیت المال کا تصور وزارت خزانہ، زکاۃ کے سرکاری نظام، بیت المال فنڈز اور سماجی تحفظ کے اداروں کی صورت میں زندہ ہے۔ پاکستان میں مرکزی و صوبائی زکاۃ نظام اور پاکستان بیت المال اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں جو علاج، تعلیم، یتیموں اور بیواؤں کی مدد میں کام کرتے ہیں۔ انہیں مؤثر بنانے کے لیے تین اصلاحات کلیدی ہیں: مستحقین کی درست شناخت کے لیے جدید ڈیٹا، آڈٹ اور شفاف تقسیم، اور مقامی سطح پر زکاۃ کمیٹیوں کی دیانت دار نگرانی۔ اگر یہ نظام درست چلے تو سرکاری بجٹ کے علاوہ دینی جذبے سے چلنے والا ایک متوازی فلاحی سرمایہ معاشرے کو حاصل ہو جاتا ہے۔

بیت المال کا مطالعہ طالب علم کو یہ بھی سکھاتا ہے کہ اسلامی ریاست میں معیشت اور عبادت الگ خانوں میں نہیں بٹی ہوئیں۔ زکاۃ جیسی عبادت خزانے کی آمدن ہے اور خزانے کا خرچ نماز کے بعد سب سے اہم سماجی ذمہ داری ہے۔ اس ربط سے مالیات کو اخلاقی تقدس ملتا ہے۔ دوسری تعلیم یہ ہے کہ وسائل کی کمی سے بڑا مسئلہ اکثر بدانتظامی اور بددیانتی ہوتا ہے۔ درست وصولی اور درست خرچ ہو تو محدود وسائل سے بھی بڑے نتائج نکل آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیت المال کی تاریخ میں طاقت سے زیادہ عدل اور احتساب کو سراہا گیا ہے اور اسے آج کی حکمرانی کے لیے معیار بنایا جا سکتا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ بیت المال اسلامی ریاست کا وہ امانتی خزانہ ہے جس کی آمدن زکاۃ و عشر، خراج و جزیہ، فیء و خمس، رکاز اور دیگر جائز مدات سے آتی ہے اور جس کے مصارف فلاح عامہ، ریاستی انتظام، عوامی سہولتیں اور دفاع ہیں۔ ہر مد کا مصرف اس کی شرعی نوعیت کے مطابق ہے اور پورے نظام پر امانت، شفافیت اور احتساب کے اصول حکمران ہیں۔ بیت المال کا تصور آج بھی فلاحی مالیات کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے بشرطیکہ اسے جدید انتظامی شفافیت کے ساتھ نافذ کیا جائے۔ جو ریاست اپنے خزانے کو امانت سمجھتی ہے اس کے شہری اس پر اعتماد کرتے ہیں اور یہی اعتماد کسی بھی معاشی نظام کی سب سے بڑی سرمایہ کاری ہے۔

سوال نمبر 3: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جاگیر داری کے مسئلے کا جائزہ لیجیے۔(20)

تعارف

جاگیر داری سے مراد وہ نظام ہے جس میں زمین کے بڑے بڑے رقبے چند افراد یا خاندانوں کے قبضے میں ہوتے ہیں اور اصل کاشتکار یعنی ہاری، مزارع یا چھوٹا کسان ان پر محنت کر کے بھی غربت اور محرومی کی زندگی گزارتا ہے۔ یہ مسئلہ برصغیر میں انگریز دور کے زمین داری انتظامات سے گہرا ہوا اور آزادی کے بعد بھی پاکستان کے بعض علاقوں میں اس کی باقیات زرعی ترقی، تعلیم اور سیاسی نمائندگی کو متاثر کرتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات اس نظام کے بارے میں کیا رہنمائی دیتی ہیں۔ جائزے کے لیے ضروری ہے کہ جاگیر داری کو نجی ملکیت سے الگ سمجھا جائے کیونکہ اسلام نجی ملکیت کا حامی ہے جبکہ جاگیر داری کا مسئلہ ملکیت کے ارتکاز، استحصال اور زمین کے بیکار یا ظالمانہ استعمال سے پیدا ہوتا ہے۔

اس جائزے میں پہلے جاگیر داری کا مفہوم اور اس کی تاریخی صورتیں بیان کی جائیں گی، پھر اسلام کے وہ اصول لائے جائیں گے جو اس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہیں جن میں زمین کی امانتی ملکیت، احیائے موات، قطائع یعنی عطیہ زمینوں کی شرائط، مزارع کے حقوق اور ارتکاز دولت کی ممانعت شامل ہیں۔ اس کے بعد اس نظام کے معاشی و سماجی نقصانات اور

ممکنہ اصلاحات کا تجزیہ کیا جائے گا۔ یہ بحث علمی نوعیت کی ہے؛ کسی مخصوص قانون کی شرعی حیثیت کا حتمی فیصلہ عدالتوں اور اہل علم کے دائرہ کار میں آتا ہے، یہاں طالب علم کو اصولوں کی روشنی میں جائزہ لینے کی تربیت دینا مقصود ہے۔

جاگیر داری کا مفہوم اور اقسام

تاریخی طور پر جاگیر اس زمین یا اس کی آمدن کو کہا جاتا تھا جو حکمران کسی عہدے دار، سپاہی یا خدمت گار کو تنخواہ یا انعام کے طور پر عطا کرتا تھا۔ اس صورت میں اصل میں یہ انتظامی انتظام تھا لیکن آہستہ آہستہ یہ موروثی ملکیت اور طاقت کا ذریعہ بن گیا۔ برطانوی دور میں منتقل بندوبست اور مختلف علاقائی نظاموں نے بڑے زمیندار طبقے کو جنم دیا جس کا کام پیداوار کے بجائے وصولی رہ گیا۔ جدید جاگیر داری کی علامات یہ ہیں: زمین کی ملکیت کا شدید ارتکاز، مزارع کی غیر محفوظ حیثیت، مقامی سیاست و انتظامیہ پر اثر، کسان کی قرض میں جکڑن اور زمین کا بڑا حصہ موثر کاشت سے باہر رہنا۔ ان علامات کی موجودگی میں نظام زرعی پیداوار بھی کم دیتا ہے اور سماجی انصاف بھی۔

یہ بھی واضح رہے کہ ہر بڑی ملکیت کو جاگیر داری کہنا درست نہیں۔ اگر کوئی شخص جائز ذرائع سے زمین حاصل کرے، اسے خود یا منصفانہ معاہدوں کے تحت آباد کرے، عشر و واجبات ادا کرے اور مزارعین کو ان کا حق دے تو اس کی ملکیت کا احترام اسلامی اصول کے مطابق ہے۔ مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب زمین طاقت، قبضے، ریاستی بخشش کے غلط استعمال یا استحصالی معاہدوں کے بل پر چند ہاتھوں میں سمٹ جائے اور آبادی کی اکثریت اپنی ہی زمین پر اجنبی بن جائے۔ اس فرق کو ملحوظ رکھے بغیر اصلاح بھی غلط سمت جا سکتی ہے۔ اسلام کا جائزہ اسی توازن سے شروع ہوتا ہے کہ ملکیت محترم ہے لیکن ارتکاز اور استحصال قابل اصلاح ہیں۔

اسلامی اصولوں کی روشنی میں جائزہ

پہلا اصول یہ ہے کہ زمین اللہ کی ملکیت اور انسان کے پاس امانت ہے، اس لیے زمین کو بیکار روک رکھنا یا اس سے معاشرے کو مستقل نقصان پہنچانا امانت کے خلاف ہے۔ دوسرا اصول احیائے موات ہے جس کے مطابق حق اس کو ملتا ہے جو زمین آباد کرے۔ تیسرا اصول اقطاع یعنی ریاستی عطیے سے متعلق ہے۔ عہد نبوی اور خلافت میں زمینیں آبادکاری اور خدمت کے لیے دی جاتی تھیں لیکن فقہا نے اس کی شرط آبادکاری لگائی ہے اور غیر آباد چھوڑنے پر واپسی کی بحث بھی موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاستی عطیہ بھی

غیر مشروط موروثی استحقاق نہیں بنتا تھا۔ چوتھا اصول یہ ہے کہ دولت اور وسائل چند امیروں ہی میں گردش نہ کریں بلکہ ان کا بہاؤ معاشرے میں عام ہو، جاگیر داری اس اصول سے ٹکراتی ہے کیونکہ اس میں زمین کی آمدن مستقل طور پر ایک طبقے تک محدود رہتی ہے۔

پانچواں اصول مزارع اور محنت کش کا تحفظ ہے۔ اسلام نے محنت کی عزت، اجرت کی فوری ادائیگی اور طاقت سے زیادہ بوجھ کی ممانعت جیسے اصول دیے ہیں۔ جاگیر داری میں مزارع عموماً غیر تحریری اور غیر محفوظ معاہدے پر کام کرتا ہے، فصل کا بڑا حصہ دے کر بھی قرض میں ڈوبا رہتا ہے اور اس کی اولاد تعلیم سے محروم رہتی ہے۔ یہ صورت اسلامی عدل سے مطابقت نہیں رکھتی۔ چھٹا اصول وراثت کا نظام ہے جو جائیداد کو بتدریج تقسیم کرکے ارتکاز توڑتا ہے، لیکن جاگیر داری اس نظام کو وصیتوں، وقف کی آڑ اور رواجی محرومی خصوصاً خواتین کے حصے سے محرومی کے ذریعے غیر مؤثر کر دیتی ہے۔ یوں کئی اسلامی ادارے جاگیر داری کے خلاف قدرتی ڈھال ہیں بشرطیکہ ان پر اصل روح کے مطابق عمل ہو۔

معاشی و سماجی نقصانات

جاگیر داری کے معاشی نقصانات میں سب سے بڑا زرعی پیداوار کی کمی ہے۔ غیر حاضر زمیندار کو پیداوار بڑھانے میں دلچسپی کم ہوتی ہے جبکہ محنت کرنے والے مزارع کے پاس سرمایہ، ٹیکنالوجی اور تحفظ نہیں ہوتا۔ نتیجتاً فی ایکڑ پیداوار کم رہتی ہے، خوراک درآمد کرنا پڑتی ہے اور دیہی آمدن نہیں بڑھتی۔ دوسرا نقصان قرض کا جال ہے۔ مزارع بیج، کھاد اور خاندانی اخراجات کے لیے زمیندار یا آڑھتی سے مہنگا قرض لیتا ہے اور فصل کا بیشتر حصہ اسی میں چلا جاتا ہے۔ تیسرا نقصان انسانی سرمائے کی تباہی ہے۔ ہاری کے بچے اسکول کے بجائے کھیت میں ہوتے ہیں اور صحت کی سہولت سے محروم رہتے ہیں، اس طرح غربت نسلوں میں منتقل ہوتی ہے۔ یہ نقصانات پوری قومی معیشت کو پیچھے دھکیلتے ہیں۔

جدول: جاگیر داری کے اثرات اور اسلامی اصلاحی اصول

اسلامی اصول	اثر	مسئلہ
دولت کی گردش، وراثت کی تقسیم	آمدن چند خاندانوں تک محدود	ارتکاز ملکیت

محنت کی عزت، منصفانہ معاہدہ	استحصال اور قرض کا جال	غیر محفوظ مزارع
احیائے موات، آبادکاری کی شرط	کم پیداوار	بیکار زمین
عدل اور احتساب	سیاسی و سماجی جبر	طاقت کا ارتکاز

سماجی و سیاسی نقصانات بھی کم نہیں۔ جاگیر دار مقامی پولیس، انتظامیہ اور عدالت پر اثر انداز ہو کر قانون کی گرفت سے بچتا ہے، ووٹ اور فیصلے ذات پات اور دباؤ سے ہوتے ہیں اور ریاست کی عمل داری کمزور پڑتی ہے۔ دیہی معاشرے میں عزت کا معیار محنت کے بجائے نسب بن جاتا ہے۔ اس ماحول میں تعلیم یافتہ نوجوان دیہات چھوڑ دیتا ہے جس سے زرعی جدت اور بھی رکتی ہے۔ اسلام کی سیاسی تعلیمات میں حکمرانی امانت اور عدل ہے اور ذاتی طاقت کے قلعے بنانا اس روح کے منافی ہے۔ اسی لیے جاگیر داری کو محض زرعی مسئلہ نہیں بلکہ عدل اجتماعی کا مسئلہ سمجھنا چاہیے۔

اصلاحات کی سمت

اسلامی اصولوں کی روشنی میں اصلاحات کی سمت کئی نکات پر مشتمل ہے۔ اول، لینڈ ریکارڈ کی شفافیت اور قبضوں کا خاتمہ تاکہ حق دار کو اس کی جائز ملکیت واقعی ملے۔ دوم، مزارع کو تحریری اور منصفانہ معاہدہ، فصل میں طے شدہ باعزت حصہ اور بے دخلی سے تحفظ دیا جائے۔ سوم، بنجر اور غیر آباد بڑی زمینوں پر آبادکاری کی پالیسی لاگو ہو تاکہ زمین پیداوار میں آئے۔ چہارم، چھوٹے کسان کو بلاسود قرض، بیج و کھاد کی سہولت اور زرعی تربیت دی جائے تاکہ وہ جاگیر دار کی محتاجی سے نکلے۔ پنجم، خواتین سمیت تمام وارثوں کو وراثت کا شرعی حصہ دلوانے کا نظام مؤثر بنایا جائے۔ ان اصلاحات کی تفصیل اور حد بندی قانون ساز اداروں اور عدالتوں کے اختیار میں ہے؛ دینی اصول ان کی اخلاقی سمت متعین کرتے ہیں۔

پاکستان میں زرعی اصلاحات کی کوششیں گزشتہ دہائیوں میں ہوتی رہیں لیکن ان پر عمل درآمد کا فقدان، مقدمہ بازی اور سیاسی دباؤ نتائج محدود کر دیتا ہے۔ دینی نقطہ نظر سے اصلاح کی کامیابی کے لیے دو باتیں ناگزیر ہیں: نیت عدل کی ہو نہ کہ سیاسی انتقام کی، اور طریقہ ایسا ہو کہ جائز ملکیت محفوظ رہے اور استحصالی ارتکاز ٹوٹے۔ معاوضے، مرحلہ وار

نفاذ اور متاثرہ چھوٹے مالکان کے تحفظ جیسے امور اسی توازن کا حصہ ہیں۔ اگر اصلاح صرف کاغذی ہو تو جاگیر داری نئے ناموں سے واپس آ جاتی ہے۔ اس لیے ریکارڈ کی ڈیجیٹائزیشن، دیہی تعلیم اور قانونی معاونت جیسی بنیادی اصلاحات بھی اتنی ہی ضروری ہیں جتنی حد بندی کی بحث۔

نتیجہ

جائزے کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات نجی ملکیت کا احترام کرتی ہیں لیکن جاگیر داری کی استحصالی صورتوں کو اپنے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ نہیں پاتی ہیں۔ زمین کی امانتی ملکیت، احیائے موات کی شرط، اقطاع کی آبادکاری سے وابستگی، دولت کی گردش، وراثت کی تقسیم اور مزارع کے حقوق وہ اصول ہیں جو ارتکاز اور استحصال کے خلاف کھڑے ہوتے ہیں۔ جاگیر داری زرعی پیداوار، تعلیم، قانون کی عمل داری اور سیاسی انصاف سب کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اس کا حل ملکیت کے خاتمے میں نہیں بلکہ عادلانہ اصلاح میں ہے جس سے زمین آباد ہو، کسان خوددار ہو اور معاشرے میں دولت و طاقت کا توازن قائم ہو۔ یہی متوازن راہ اسلامی معاشی فکر کی پہچان ہے۔

سوال نمبر 4: اسلامی بینکاری کے بنیادی تصورات اور مقاصد بیان کیجیے۔ (20)

تعارف

اسلامی بینکاری سے مراد وہ مالیاتی نظام ہے جس میں بینک کے تمام معاملات سود یعنی ربا سے پاک، شریعت کے اصولوں کے مطابق اور حقیقی معاشی سرگرمی سے منسلک ہوتے ہیں۔ یہ نظام گزشتہ نصف صدی میں دنیا بھر میں تیزی سے پھیلا ہے اور پاکستان میں اسٹیٹ بینک کی نگرانی میں اسلامی بینک اور روایتی بینکوں کی اسلامی شاخیں کام کر رہی ہیں۔ اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ بڑی تعداد میں مسلمان سودی بینکاری سے دینی وجہ سے دور رہتے تھے جس سے ان کی بچتیں معیشت سے باہر رہتی تھیں اور بوقت ضرورت وہ غیر رسمی اور مہنگے قرضوں کا شکار ہوتے تھے۔ اسلامی بینکاری نے بچت، سرمایہ کاری اور ادائیگیوں کی سہولت کو شرعی دائرے میں لانے کی کوشش کی ہے۔

اس جواب میں اسلامی بینکاری کے بنیادی تصورات یعنی سود کی ممانعت، نفع نقصان کی شراکت، حقیقی اثاثے سے ربط، غرر و قمار سے اجتناب اور شریعہ نگرانی کا نظام بیان کیا جائے گا، اور پھر اس کے مقاصد یعنی بچتوں کا فروغ، منصفانہ سرمایہ کاری، مالی شمولیت، استحکام اور سماجی فلاح واضح کیے جائیں گے۔ جہاں متنازعہ اطلاقی صورتیں آئیں گی وہاں یہ وضاحت رہے گی کہ مخصوص مصنوعات کی شرعی حیثیت کا فیصلہ مستند شریعہ بورڈز اور اہل علم کا کام ہے؛ یہاں کورس کی سطح پر اصول بیان کیے جا رہے ہیں۔

بنیادی تصورات: سود سے پاک نظام اور شراکت داری

اسلامی بینکاری کا پہلا تصور ربا سے مکمل اجتناب ہے۔ روایتی بینک قرض پر پہلے سے طے شدہ سود لیتا اور کھاتہ دار کو طے شدہ سود دیتا ہے، نفع نقصان سے اس کا تعلق نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اسلامی بینک امانت اور سرمایہ کاری کے کھاتوں میں فرق کرتا ہے۔ سرمایہ کاری کھاتوں میں رقم مضاربہ کی بنیاد پر لی جاتی ہے جس میں منافع طے شدہ تناسب سے تقسیم ہوتا ہے اور نقصان اصولی طور پر سرمایہ فراہم کرنے والا برداشت کرتا ہے بشرطیکہ بینک کی غفلت ثابت نہ ہو۔ اسی تصور سے بینک اور گاہک کا تعلق قرض خواہ و مقروض کا نہیں بلکہ شراکت داروں کا بن جاتا ہے۔ منافع پہلے سے رقم کی صورت میں متعین نہیں ہوتا بلکہ اصل کاروبار کے نتیجے سے جڑا ہوتا ہے۔

دوسرا تصور نفع نقصان کی شراکت ہے جس کی عملی صورتیں مشارکت اور مضاربہ ہیں۔ مشارکت میں بینک اور کاروباری دونوں سرمایہ لگاتے ہیں اور نفع طے شدہ تناسب سے، نقصان سرمائے کے تناسب سے بانٹتے ہیں۔ مضاربہ میں ایک فریق سرمایہ اور دوسرا محنت و مہارت فراہم کرتا ہے۔ ان صورتوں میں بینک کو کاروبار کی جانچ پڑتال کرنی پڑتی ہے کیونکہ اس کا منافع کاروبار کی اصل کامیابی سے جڑا ہوتا ہے۔ یہی ربط اسلامی معیشت کو حقیقی معیشت بناتا ہے۔ جب بینک محض دستخطوں پر سود نہیں لیتا بلکہ منصوبے کی سوجھ بوجھ میں شریک ہوتا ہے تو وسائل ان منصوبوں کو ملتے ہیں جو اصل پیداوار اور روزگار پیدا کرتے ہیں۔

بنیادی تصورات: اثاثہ بنیاد معاہدے، شفافیت اور شریعہ نگرانی

تیسرا تصور اثاثے سے ربط ہے۔ مرابحہ میں بینک مطلوبہ چیز خود خرید کر ملکیت اور اس سے وابستہ خطرہ قبول کرتا ہے پھر اسے معلوم منافع کے ساتھ اقساط پر فروخت کرتا ہے۔ اجارہ میں بینک اثاثہ خرید کر کرائے پر دیتا ہے اور ملکیت کے بڑے خطرات خود رکھتا ہے۔ استصناع میں کسی چیز کی تیاری کا آرڈر دیا جاتا ہے اور سلم میں پیشگی قیمت پر مستقبل کی

فصل یا پیداوار خریدی جاتی ہے۔ ان تمام صورتوں میں مالی معاملہ کسی اصل چیز یا خدمت کے گرد گھومتا ہے۔ پیسے سے پیسہ بنانے کے بجائے چیز، خدمت اور پیداوار حرکت میں آتی ہے۔ یہی اصول مہنگائی اور مصنوعی مالی پھیلاؤ کو روکنے میں مدد دیتا ہے۔

جدول: اسلامی بینکاری کے اہم معاہدے

عام استعمال	بنیادی نوعیت	معاہدہ
سرمایہ کاری کھاتے، فنڈز	ایک کا سرمایہ، دوسرے کی محنت	مضاربہ
کاروباری مالیات، گھریلو مالیات	مشترکہ سرمایہ و شراکت	مشارکت
گاڑی، مشینری، تجارتی مالیات	خرید کر منافع کے ساتھ فروخت	مرابحہ
سامان و جائیداد کا استعمال	اثاثہ کرائے پر دینا	اجارہ
حکومتی و کارپوریٹ سرمایہ کاری	اثاثہ بنیاد سرمایہ کاری سند	صکوک

چوتھا تصور غرر اور میسر یعنی غیر یقینی اور جوئے نما سودوں سے اجتناب ہے۔ معاہدے کی شرائط، قیمت، مدت اور فریقین کی ذمہ داریاں واضح ہوتی ہیں تاکہ بعد میں تنازع نہ ہو۔

پانچواں تصور شریعہ نگرانی کا ادارہ ہے۔ ہر اسلامی بینک میں شریعہ بورڈ اور شریعہ آڈٹ کا نظام ہوتا ہے جو مصنوعات کی منظوری اور عمل درآمد کی جانچ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ تکافل یعنی باہمی تعاون پر مبنی بیمے کی متبادل صورت بھی اسی نظام کا حصہ ہے۔ یہ نگرانی اگر واقعی آزاد اور اہل ہو تو عوام کے اعتماد کی بنیاد بنتی ہے، اور اگر محض رسمی ہو تو نظام پر سوالات اٹھتے ہیں۔ اس لیے شریعہ گورننس کی مضبوطی اسلامی بینکاری کے مستقبل کے لیے مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔

مقاصد: مالی شمولیت، استحکام اور انصاف

اسلامی بینکاری کا پہلا مقصد مالی شمولیت ہے یعنی معاشرے کے اس بڑے طبقے کو رسمی معیشت میں لانا جو دینی وجوہ سے سودی نظام سے دور رہتا تھا۔ جب بچتیں بینک میں آتی ہیں تو وہ دستاویزی معیشت کا حصہ بنتی ہیں، سرمایہ کاری بڑھتی ہے اور لوگوں کو محفوظ ادائیگی و بچت کی سہولت ملتی ہے۔ دوسرا مقصد منصفانہ تقسیم ہے۔ شراکت داری میں منافع کاروبار کی اصل محنت سے جڑتا ہے اس لیے سرمایہ دار کو بلاخطرہ آمدن اور کاروباری کو دوہرا بوجھ نہیں ملتا۔ تیسرا مقصد حقیقی شعبے کی ترقی ہے کیونکہ اثاثہ بنیاد مالیات زراعت، صنعت اور تجارت میں اصل سرگرمی کو بڑھاتی ہے نہ کہ قیاسی سودوں کو۔

چوتھا مقصد مالی استحکام ہے۔ بین الاقوامی مالیاتی بحرانوں کے تجزیے میں یہ بات سامنے آئی کہ اثاثہ سے جڑے اور قرض کی حد رکھنے والے نظام جھٹکے بہتر برداشت کرتے ہیں، کیونکہ ان میں قرض کے اوپر قرض کا غبارہ کم بنتا ہے۔ پانچواں مقصد سماجی فلاح ہے۔ اسلامی بینک زکاۃ کی ادائیگی، باہمی معاونت، قرض حسنہ اسکیمیں اور چھوٹے کاروباروں کی مالیات کے ذریعے معاشرتی کردار ادا کر سکتے ہیں اور کرتے بھی ہیں۔ پاکستان میں اسٹیٹ بینک کا ہدف کہ اسلامی بینکاری کا حصہ بتدریج بڑھایا جائے اسی سمت کی پالیسی کوشش ہے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ عملی سطح پر بعض مصنوعات کی صورت اور روایتی بینکاری سے مشابہت پر علمی بحث جاری رہتی ہے جس کا حل شفافیت، اصل شراکت داری کی طرف پیش رفت اور مضبوط شریعہ آڈٹ میں ہے۔

چیلنجز اور مستقبل کی سمت

اسلامی بینکاری کو کئی چیلنجز درپیش ہیں۔ اہل افرادی قوت کی کمی، عوام کی آگاہی کا فقدان، بعض مصنوعات میں پیچیدگی، شرعی معیارات میں علاقائی اختلاف اور لیکویڈیٹی کے جائز آلات کی محدود دستیابی ان میں نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ کسٹمر اکثر اسلامی بینک سے بھی روایتی بینک جیسے مقررہ منافع کی توقع رکھتا ہے جس سے شراکت کا تصور دب جاتا ہے۔ ان چیلنجز کا جواب تعلیم، سادہ اور شفاف مصنوعات، ڈیجیٹل بینکاری اور اصل مشارکت و مضاربہ پر مبنی مالیات کے فروغ میں ہے۔ فری لانس اور سٹارٹ اپ معیشت کے لیے شراکت داری ماڈل خاص طور پر موزوں ہو سکتے ہیں کیونکہ ان کے پاس ضمانت کم اور صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔

مستقبل میں اسلامی بینکاری کا دائرہ صکوک، گرین مالیات اور مائیکرو فنانس تک پھیل رہا ہے۔ ماحول دوست منصوبوں کے لیے اثاثہ بنیاد صکوک عالمی سطح پر مقبول ہو رہے ہیں اور پاکستان میں بھی حکومتی صکوک کی مثالیں موجود ہیں۔ اگر یہ نظام اپنے اصولوں پر دیانت سے عمل کرے تو یہ محض مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ اخلاقی مالیات چاہنے والے ہر کسٹمر کے لیے پرکشش بن سکتا ہے۔ اس کے مقاصد کی تکمیل کا پیمانہ حصہ بازار نہیں بلکہ یہ ہو گا کہ آیا چھوٹا کاروبار، کسان اور نوجوان کاروباری جائز مالیات تک واقعی آسان رسائی پا رہے ہیں یا نہیں۔ یہی امتحان اسلامی بینکاری کو دعوے سے حقیقت میں بدلے گا۔

نتیجہ

مجموعی طور پر اسلامی بینکاری سود کی ممانعت، شراکت داری، اثاثہ بنیاد معاملات، شفافیت اور شریعہ نگرانی کے تصورات پر کھڑی ہے اور اس کے مقاصد مالی شمولیت، منصفانہ تقسیم، حقیقی معیشت کی ترقی، استحکام اور سماجی فلاح ہیں۔ یہ نظام روایتی بینکاری کا متبادل بننے کا دعویٰ اسی وقت پورا کرے گا جب اس کی عملی صورتیں ان تصورات کی روح کے مطابق ہوں گی۔ پاکستان جیسے ملک میں جہاں اکثریت جائز مالیات کی خواہش رکھتی ہے، اس نظام کی کامیابی توسیع پذیر، دستاویزی معیشت اور چھوٹے کاروبار کی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ اصول کی وضاحت اور عمل کی دیانت دونوں ساتھ چلیں تو اسلامی بینکاری محض ایک شعبہ نہیں بلکہ پوری معیشت کی اصلاح کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

سوال نمبر 5: پاکستان کے معاشی مسائل کے تناظر میں اسلامی معاشی نظام کی رہنمائی واضح کیجیے۔ (20)

تعارف

پاکستان کو درپیش معاشی مسائل میں غربت و بیروزگاری، مہنگائی، سودی قرضوں کا بھاری بوجھ، بجٹ و تجارتی خسارے، توانائی کی لاگت، ٹیکس نظام کی کمزوری، بدعنوانی، غیر دستاویزی معیشت اور آمدن کی بڑھتی عدم مساوات نمایاں ہیں۔ یہ مسائل وقتی نہیں بلکہ ساختی ہیں، اس لیے ان کا حل بھی وقتی اقدامات کے بجائے نظام کی اصلاح میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلامی معاشی نظام ان مسائل کے تناظر میں کیا رہنمائی دیتا ہے۔ واضح رہے کہ اسلامی نظام کوئی جادوئی فارمولا نہیں جو بنیادی محنت، ٹیکنالوجی اور نظم و ضبط کے

بغیر نتائج دے دے۔ یہ ایک اخلاقی وادارہ جاتی ڈھانچہ ہے جو پالیسی کو سمت دیتا ہے۔ اس جواب میں بڑے مسائل کو اسلامی اصولوں یعنی سود سے نجات، زکاۃ و کفالت، عدل و احتساب، حقیقی پیداوار اور خود انحصاری سے جوڑ کر رہنمائی واضح کی جائے گی۔

رہنمائی کو عملی بنانے کے لیے ہر مسئلے کے ساتھ اس کا اسلامی اصول، پالیسی صورت اور متوقع نتیجہ بیان کیا جائے گا۔ یہ بھی لحاظ رہے گا کہ پاکستان ایک آئینی جمہوریہ ہے جس کے آئین میں سود کے خاتمے اور اسلامی اصولوں کی پاسداری کی شقیں موجود ہیں اور وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں سمیت اس موضوع پر قانونی مباحث موجود ہیں۔ ان کی حتمی قانونی تشریح عدالتوں اور مقننہ کا کام ہے؛ یہاں مقصد کورس کی علمی رہنمائی کو ان کے مسائل سے جوڑنا ہے تاکہ طالب علم نظریہ اور عمل کا ربط سمجھ سکے۔

سودی قرضوں کا بوجھ اور اس کا متبادل راستہ

پاکستان کے بجٹ کا بڑا حصہ قرضوں پر سود کی ادائیگی میں چلا جاتا ہے جس سے تعلیم، صحت اور ترقی کے لیے وسائل سکڑ جاتے ہیں۔ یہ داخلی و خارجی قرضوں کا چکر معیشت کو اس حالت میں رکھتا ہے کہ نئی آمدن بھی پرانے سود کی نذر ہو جاتی ہے۔ اسلامی رہنمائی اس مسئلے پر تین نکاتی ہے۔ اول، نئے سودی قرضوں کو آخری حد تک محدود کر کے اخراجات میں کفایت اور محصولات کی وصولی بہتر بنائی جائے۔ دوم، موجودہ نظام کو مرحلہ وار غیر سودی آلات جیسے صکوک اور شراکت داری سرمایہ کاری کی طرف منتقل کیا جائے جن کی ترتیب ماہرین مالیات و شریعت مل کر کریں۔ سوم، بیرونی انحصار کم کر کے برآمدات اور ترسیلات کو پیداواری شعبوں میں لگایا جائے۔ یہ راستہ تدریجی ہے لیکن سمت کا تعین ہی پالیسی کی پہلی کامیابی ہوتا ہے۔

اس ضمن میں یہ حقیقت بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ سود ختم کرنے کا مطلب معیشت کو بند کرنا نہیں بلکہ مالیات کی بنیاد بدلنا ہے۔ جب بینکاری شراکت اور اثاثہ بنیاد ہو جاتی ہے تو سرمایہ اصل منصوبوں میں لگتا ہے، حکومتی صکوک اصل اثاثوں سے جڑتے ہیں اور بچت کنندہ کو دھوکے کے بجائے اصل منافع میں حصہ ملتا ہے۔ اس منتقلی کے لیے قانون سازی، اسٹیٹ بینک کی استعداد اور عوامی اعتماد تینوں درکار ہیں۔ پاکستان میں اسلامی بینکاری کے بڑھتے ہوئے حصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوام اس متبادل کو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ پالیسی کا کام اس تیاری کو مضبوط اداروں میں بدلنا ہے۔ شرح سود کے اتار چڑھاؤ سے جھٹکے کھانے والی معیشت کے لیے یہ استحکام خود ایک بڑی نعمت ہو گی۔

غربت، بیروزگاری اور کفالت وزکاۃ کا نظام

غربت اور بیروزگاری پاکستان کے سب سے انسانی مسائل ہیں۔ اسلامی رہنمائی میں ان کا جواب دو محاذوں پر ہے۔ ایک طرف کفالت عامہ اور زکاۃ کا منظم نظام ہے جو نادار کو فوری سہارا دیتا ہے۔ پاکستان میں زکاۃ کی ممکنہ استعداد بہت بڑی ہے لیکن وصولی و تقسیم میں اعتماد کی کمی اسے محدود کر دیتی ہے۔ شفاف ڈیجیٹل نظام، مقامی نگرانی اور آڈٹ سے یہ ادارہ احساس و بیت المال پروگراموں کی تکمیل کر سکتا ہے۔ دوسری طرف روزگار کا محاذ ہے۔ اسلام محنت کی عزت اور خود کفالت سکھاتا ہے، اس لیے مستحق کو صرف امداد نہیں بلکہ ہنر، بلاسود چھوٹا قرض اور کاروباری رہنمائی دینا اصل پالیسی ہونی چاہیے۔ مائیکروفنانس کی اسلامی صورتیں اور وقف بنیاد فنی تعلیم اسی سمت کی عملی شکلیں ہیں۔

جدول: پاکستان کے مسائل اور اسلامی رہنمائی

مسئلہ	اسلامی رہنمائی	متوقع سمت
سودی قرضوں کا بوجھ	تدریجی غیر سودی مالیات، کفایت	بجٹ میں فلاح کی گنجائش
غربت و بیروزگاری	منظم زکاۃ، کفالت، ہنر و مائیکروفنانس	خود کفالت اور روزگار
بدعنوانی و بددیانتی	امانت، احتساب، شفافیت	اعتماد اور وصولی میں بہتری
عدم مساوات	گردش دولت، وراثت، عشر و زکاۃ	متوسط طبقے کی وسعت
غیر دستاویزی معیشت	جائز مالیات و سادہ نظام	ٹیکس بنیاد میں اضافہ

بیروزگاری کے حل میں اسلامی اصول یہ بھی ہے کہ ریاست اور نجی شعبہ زراعت و چھوٹی صنعت کو ترجیح دیں کیونکہ یہی شعبے کم سرمائے سے زیادہ روزگار دیتے ہیں۔ کسان کو بیج، کھاد اور بلاسود قرض وقت پر ملے تو زرعی پیداوار، خوراک کی قیمت اور دیہی روزگار تینوں بہتر ہوتے ہیں۔ نوجوانوں کے لیے فنی تعلیم کو وقف و زکاۃ کے جائز مصارف اور عمومی

بجٹ سے جوڑنا ممکن ہے۔ اسلامی معیشت میں انسان مقصد ہے مشین نہیں، اس لیے روزگار کی پالیسی میں اجرت کی مناسبت، تحفظ اور کام کے اوقات کا لحاظ بھی شامل ہے۔ یہ جامع سوچ وقتی روزگار اسکیموں سے آگے بڑھ کر نسلوں کی خوشحالی کی بنیاد رکھتی ہے۔

بدعنوانی، غیر دستاویزی معیشت اور احتساب

پاکستان کی معیشت کا ایک بڑا مسئلہ بدعنوانی اور احتساب کی کمزوری ہے۔ ٹیکس چوری، رشوت، اسمگلنگ اور منی لانڈرنگ وسائل کو عوام کے بجائے چند افراد کی طرف موڑ دیتی ہے۔ اسلامی نظام اس پر دو طرفہ رہنمائی دیتا ہے۔ اندرونی سطح پر یہ مال کو امانت اور کمائی کو آخرت جواب دہی سے جوڑ کر دیانت کو ایمان کا حصہ بناتا ہے۔ بیرونی سطح پر یہ بیت المال کے احتساب، محتسب کے ادارے، عدل کی فوری فراہمی اور حکمران کی سادگی کی مثال قائم کرتا ہے۔ جب اوپر سے مثال قائم ہو اور نیچے قانون بلا امتیاز چلے تو بدعنوانی کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ محض سزائیں کافی نہیں ہوتیں، نظام کو شفاف اور سادہ بنانا بھی ضروری ہے تاکہ رشوت کا موقع ہی کم ہو جائے۔

غیر دستاویزی معیشت کا بھی یہی علاج ہے۔ جب ٹیکس نظام پیچیدہ اور خوف پر مبنی ہو تو لوگ دستاویز سے بھاگتے ہیں۔ اسلامی رہنمائی عدل، آسانی اور اعتماد کی ہے۔ محصول معلوم ہو، شرح استطاعت کے مطابق ہو اور خرچ عوام کے سامنے ہو تو لوگ نظام میں شامل ہوتے ہیں۔ اسلامی بینکاری اور ڈیجیٹل ادائیگیوں نے اس ضمن میں راستہ آسان کیا ہے کیونکہ جائز مالیات کی سہولت ملنے پر بڑی تعداد رسمی نظام میں آتی ہے۔ دستاویزی معیشت بڑھنے سے ٹیکس بنیاد وسیع ہوتی ہے، شرح کم رکھ کر بھی آمدن بڑھتی ہے اور قرضوں کی ضرورت گھٹتی ہے۔ یوں ایک اصلاح کئی مسائل کو بیک وقت کم کرتی ہے۔

عدم مساوات، مہنگائی اور حقیقی پیداوار

آمدن کی عدم مساوات پاکستان میں طبقاتی بے چینی بڑھا رہی ہے۔ اسلامی نظام کے گردش دولت کے ادارے یعنی زکاۃ، عشر، صدقات، وراثت اور وقف اس عدم مساوات کو مسلسل کم کرتے ہیں۔ پراپرٹی اور قیاسی سودوں میں پھنسا سرمایہ اگر پیداواری شعبوں کی طرف مڑے تو روزگار اور اشیا کی فراہمی بڑھنے سے مہنگائی بھی قابو میں آتی ہے۔ مہنگائی

کا ایک سبب ذخیرہ اندوزی اور ناجائز اجارہ داری بھی ہے جس کی نگرانی محتسب کے اصول پر جدید کمپیٹیشن ادارے کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ضروری اشیا میں خود کفالت، خصوصاً خوراک و توانائی میں مقامی جائز متبادل کی تلاش، درآمدی مہنگائی سے حفاظت دیتی ہے۔

حقیقی پیداوار پر زور اسلامی معیشت کا مزاج ہے۔ پاکستان کی پالیسی کو درامد شدہ تعیشات کے بجائے برآمدی صنعت، زرعی جدت اور خدمات کے شعبے کی طرف سرمایہ موڑنا ہوگا۔ سرمایہ کار کو جائز منافع کی ضمانت اور تحفظ ملے تو وہ طویل مدتی سرمایہ کاری کرتا ہے۔ مزدور کو مناسب اجرت اور تحفظ ملے تو پیداوار بڑھتی ہے۔ صارف کو معیار اور قیمت میں انصاف ملے تو اعتماد بنتا ہے۔ یہ تینوں اعتماد مل کر وہ ماحول بناتے ہیں جسے اسلامی اخلاقیات پروان چڑھاتی ہیں۔ معاشی ترقی شرح نمو کا نام نہیں بلکہ اس مجموعی انصاف کا نام ہے جس میں کمزور بھی شریک ہو۔ اسی معیار سے پالیسیوں کو پرکھنا اسلامی رہنمائی کا خلاصہ ہے۔

نتیجہ

نتیجتاً کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی معاشی نظام پاکستان کے سودی قرض، غربت، بیروزگاری، بدعنوانی، عدم مساوات اور غیر دستاویزی معیشت جیسے مسائل کے لیے منظم اخلاقی و ادارہ جاتی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ یہ رہنمائی تدریج، قانون سازی اور اداروں کی تعمیر مانگتی ہے، محض نعروں سے نتائج نہیں آتے۔ زکاۃ و کفالت کی شفاف تنظیم، اسلامی بینکاری کی اصل روح کے مطابق توسیع، احتساب و شفافیت، چھوٹے کاروبار و زراعت کی سرپرستی اور حقیقی پیداوار پر توجہ وہ عملی قدم ہیں جو اس رہنمائی کو حقیقت میں بدل سکتے ہیں۔ پاکستان کی آبادی کی اکثریت ان اقدار سے جذباتی و دینی وابستگی رکھتی ہے، یہی وابستگی اصلاحات کے لیے سب سے بڑی قوت ثابت ہو سکتی ہے اگر پالیسی ساز اسے دیانت اور منصوبہ بندی سے استعمال کریں۔